حضرۃ العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی مدظلہ العالی

دوام حدیث

تفسیر بالروایت پر منکرین احادیث کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

نجات کی حقیقت

نجات دراصل اس ثمرہ کا نام ہے جو قرآن وسنت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے قیامت کے دن عذاب دائمی سے بچنا اور جنت میں داخل ہونا یا بالکل عذاب سے بچ جانا اور پہلی دفعہ جنت میں داخل ہونا بھی نجات کی حقیقت ہے ۔ دراصل یہ عذاب وثواب اس اثر کے تابع ہے جو ایمان وعمل صالح سے انسان کے دل پر طاری ہوتا ہے اور روح کو رنگین کرتا ہے ۔ اگر برا رنگ چڑھے تو عذاب ، اگر اچھا ہو تو ثواب حاصل ہوتا ہے ۔ پس اس نجات کے دو حصے ہیں ۔ ایک کامل نجات جو پہلی دفعہ جنت میں داخل ہونے اور عذاب سے بالکلیہ رہائی سے عبارت ہے ۔ دوسری قسم نجات کی یہ ہے کہ ہمیشہ کے عذاب سے بچ کر آخر جنت میں داخل ہو جائے ۔ پہلی نجات کے لئے یہ شرط ہے کہ ایمان اور عمل صالح دونوں پورے ہوں ۔ دوسری نجات کے لئے یہ ضروری ہے کہ پیغمبر کو شریعت لانے میں سچا سمجھے مگر عمل میں پورا ہونا ضروری نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا پختہ ارادہ رکھے اور آپ کی متابعت کو عار نہ سمجھے ۔ نجات کی چونکہ دو قسمیں ہیں ، کتاب وسنت میں بھی دونوں قسموں کے دلائل پائے جاتے ہیں ۔ بعض سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیئے اور بعض سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عملی کمی سے بھی ایمان قابل قبول ہے ۔ سورۂ فاطر میں ہے :

"ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ ذٰلک ہو الفضل الکبیر جنت عدن یدخلونہا"

"پھر ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں سے چن لیا، ان میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض درمیانی چال چلنے والے ہیں اور بعض بھلائیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں، عدن کے باغوں میں داخل ہوں گے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء (نساء)

اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا جو اس کے علاوہ (گناہ) ہو، وہ جسے چاہے معاف کر دیتا ہے۔" ———— اس آیت میں بڑی امید دلائی گئی ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا (سورہ حم السجدۃ)

"جو یہ کہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم جائے، ان پر خوشخبری جنت کی لے کر فرشتے اترتے ہیں۔"

اور ایک جگہ سورۂ مومنون میں ایمان لانے، نماز میں خشوع کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، بیحیائی سے بچنے، اوقات اور عہد کی پابندی کرنے اور نماز کی محافظت پر جنت کا وعدہ ہے۔ بعض جگہ صرف تزکیۂ نفس پر کامیابی کا وعدہ ہے (سورہ شمس) یہی حال احادیث کا ہے۔ بعض جگہ ایمان و عمل کے مکمل ہونے پر نجات کا وعدہ ہے اور بعض جگہ صرف توحید و رسالت کے صحیح اقرار پر جنت کا وعدہ ہے۔ اور بعض جگہ مومن کے لئے بعض اعمال کو ذریعہ نجات قرار دیا گیا ہے کیونکہ نجات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کامل نجات اور دوسری ہمیشگی کے عذاب سے نجات! دوسری قسم کی بہت سی قسمیں ہیں، کوئی پہلے رہائی حاصل کرے گا اور کوئی بعد میں۔ اس واسطے اس رہائی کے اسباب میں مختلف اعمال کا ذکر آیا ہے ———— یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ جب ایک شئے کے مختلف اسباب ہوں تو عرف میں کبھی ایک سبب کی طرف بھی نتیجہ کی نسبت کر دیتے ہیں۔ مثلاً طالب علم کی کامیابی کے لئے مندرجہ ذیل امور کی ضرورت ہے:

(۱) ذہین ہونا (۲) کوشش و محنت کرنا (۳) کچھ سرمایہ کا ہونا (۴) استاد کی مہربانی، (۵) کچھ مدت کا گذرنا وغیرہ وغیرہ۔

گو تحصیل علم کے لئے ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے تاہم سوال کے وقت ان سب کا ذکر ضروری نہیں ہوتا نہ علم کی تحصیل کے اسباب میں ان سب کا استیعاب ضروری ہے ۔ اگر کوئی یہ کہے کہ علم پڑھنے کے لئے ذہن کی ضرورت ہے ، ذہین آدمی بہت جلد علم حاصل کر لیتا ہے ، تو یہ صحیح ہے ۔ اگرچہ ذہن کے ساتھ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہے مگر اس کلام پر کوئی قابل ذکر اعتراض نہیں پڑتا ۔ یہی حال باقی اسباب کا بھی ہے ۔

اس بارے میں یہ کہنا بھی درست ہے کہ علم کا شوق رکھنے والا آدمی علم حاصل کر لیتا ہے اگرچہ صرف شوق کافی نہیں مگر کلام کی صحت پر کوئی اعتراض نہیں ۔ اسی طرح یہ بات بھی درست ہے کہ محنتی آدمی علم حاصل کر لیتا ہے یا جس پر استاد مہربان ہو وہ علم حاصل کر لیتا ہے اگرچہ صرف یہ دونوں باتیں علم حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں تاہم صحتِ کلام پر یہاں بھی کوئی زد نہیں پڑتی اسی طرح شرعیات میں جو مختلف احادیث میں نجات کے اسباب مختلف بیان کئے گئے ہیں، ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ چیزیں منجملہ اسباب کے ہیں ۔ یہ مطلب نہیں کہ نجات کے لئے صرف ایک چیز کافی ہے ۔ پس حدیث میں بعض بعض اعمال کا ذکر ہے اور ان پر جنت کے داخلہ کے ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ باقی امور کی ضرورت نہیں بلکہ ہر جگہ یہ قید ملحوظ ہوتی ہے کہ اگر مانع نہ ہو تو جنت میں داخل ہوگا ۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ بنفشہ ملیّن ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کا خاصہ تلیین ہے ۔ اگر کوئی شخص بنفشہ کھا کر کوئی دوسری چیز بھی کھا لے جو قابض ہو اور بنفشہ کا اثر ظاہر نہ ہو تو یہ صورت بنفشہ کے ملیّن ہونے کے منافی نہیں ہوگی کیونکہ بنفشہ کے ملین ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بنفشہ کا خاصہ تلیین ہے اگر مانع نہ ہو ۔ یہی حال احادیث میں بیان کردہ اعمال کا ہے جن کی فہرست درج ذیل ہے :

" وضو کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں یعنی انسان گناہ سے پاک ہو جاتا ہے مگر اس حدیث میں گناہ سے مراد صغیرے ہیں ، کبیرے نہیں بلکہ کبیرہ گناہ کرنے سے صغیرے بھی معاف نہیں ہوتے ۔ مسلم میں اس کی تصریح ہے " مالم یوت کبیرة " (مسلم)

وضو نماز اسی وقت گناہ کا کفارہ بنتے ہیں جب کبیرہ گناہ نہ کرے بلکہ جن اعمال کے متعلق یہ وارد ہے کہ ان سے گناہ دور ہوتے ہیں ، ان سے صغیرے مراد ہیں ، کبیرے مراد نہیں ۔ یہ مسئلہ قرآن مجید کے عین مطابق ہے :

اِنَّ الحسنات یذھبن السیئات ۰ (ھود)

یعنی نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔

دوسری آیت میں ہے:

ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیئاتکم (نساء)

اگر تم ان کبیروں سے پرہیز کرو گے جن سے تم روکے جاتے ہو تو باقی گناہ تمہارے ہم معاف کر دیں گے۔

بلکہ قرآن مجید میں گناہوں کا کفارہ صدقہ وغیرہ بتایا ہے۔ غلطی سے قتل کر دے تو غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے روزے رکھے۔ اگر قسم توڑے تو غلام آزاد کرے یا دس آدمیوں کو کھانا کھلائے یا دس آدمیوں کو کپڑے پہنائے اگر نہ کر سکے تو روزے رکھے۔ اگر اپنی بیوی کو کہے کہ تیری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو اس پر غلام آزاد کرنا ہے، اگر نہ کر سکے تو ۶۰ روزے رکھے۔ یہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ آدمیوں کو کھانا کھلائے۔ اور صدقہ کے متعلق مطلقاً آیا ہے "ویکفر عنکم من سیئاتکم"۔ اگر صدقہ کرو گے تو تمہارے گناہوں سے معافی ہوگی۔

۲۔ مصافحہ کرنے سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس جگہ بھی وہی قید ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

تحیة من عند الله مبارکة طیبة (نور)

یعنی گھر میں داخل ہوتے وقت بھی سلام کرو، یہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ چیز ہے۔

۳۔ بلالؓ کی روایت میں جو یہ وارد ہے کہ وہ جب وضو ٹوٹتا تو وضو کرتے تھے اور پھر ضرور دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نے خواب میں تم کو جنت میں آگے آگے چلتے دیکھا۔ اس کی وجہ یہی عمل ہے۔ اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ وضو اور نماز جنت کا سبب ہے، اگر مانع نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ اتنا ہی کافی ہے۔ وضو اور غسل کے ذکر کے بعد قرآن نے کہا ہے کہ یہ احکام تنگی میں ڈالنے کے لئے نہیں ——— ولکن یرید لیطهرکم (مائدہ) ——— لیکن ان سے تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

اور سورہ طٰہٰ میں ہے:

وذالك جزاء من تزکی۔

کہ یہ جنت اس کی جزا ہے جو پاک ہو گیا ——— اب بتائیے، یہ مسئلہ تو قرآن نے

بھی ذکر کر دیا، اب کیا تاویل کریں گے!

۴۔ حدیث میں ہے جو اذان کا جواب دے اور اذان کے کلمات کا مفہوم پورے طور پر سمجھ کر اس پر یقین کرتا ہو، وہ جنت میں جائے گا یعنی اگر مانع نہ ہو۔

سورۂ رعد میں ہے:

"الذین استجابوا لربهم الحسنیٰ"

کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں یعنی اس کی پکار کو سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں ——— اس میں اذان بھی داخل ہے ——— ان کے لئے نیکی یعنے جنت ہے۔

۵۔ جو شخص چالیس دن تک نماز با جماعت محض اللہ کے لئے پڑھے، پہلی تکبیر میں شامل ہو وہ آگ اور نفاق سے بری ہو گیا (ترمذی)

اس حدیث کا مرفوع یا پھر صحیح ہونا درست نہیں جیسا کہ ترمذی نے کہا (ترمذی ص۳۳ ج۱) اگر صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا۔ ایسا آدمی اب منافق نہیں اور آگ سے بری ہو گیا بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

"منافق لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں، اللہ کا ذکر کم کرتے ہیں" (نساء)

جب ایک شخص چالیس دن تک تکبیر اولیٰ پائے گا تو ضرور ہے کہ اس کا دل درست ہو گا پس وہ منافق نہیں کہلا سکتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ کے لئے بھی یہ کافی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"قد افلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربه فصلیٰ" (اعلیٰ)

یقیناً وہ شخص کامیاب ہے جو پاک ہوا اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی۔ اب قرآن کو بھی جواب دیجئے!

دوسری جگہ فرمایا:

"والذین یؤمنون بالآخرة یؤمنون به وهم علیٰ صلاتهم یحافظون" (الانعام)

کہ جن کا آخرت پر ایمان ہے، وہ قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں ——— اعمال میں سے زیادہ زور نماز ہی پر ہے۔

ایک جگہ قرآن مجید میں اس طرح ہے:

"انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ فعسی ان یکون من المھتدین" (توبہ)

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں (یعنی ان میں آتے جاتے اور نمازیں پڑھتے ہیں) جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔ قریب ہے کہ یہ ہدایت یافتہ گروہ میں داخل ہوں۔

اس آیت میں مساجد کو آباد کرنے والوں (آبادی جو نماز ہی سے ہوتی ہے) کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ لازمی طور پر ایماندار، نمازی، زکوٰۃ ادا کرنے والے اور صرف اللہ کا ڈر رکھنے والے اور ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ اب قرآن کی بھی تاویل کرو!

۶۔ آمین کہنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس جگہ پھر صغیرے گناہ مراد ہیں جیسا کہ مسلم کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو اور نماز پڑھنے سے اسی وقت گناہ معاف ہو سکتے ہیں جب کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے۔ اور آمین کہنے سے بھی صغیرے ہی معاف ہوں گے۔ یہی حال اس حدیث کا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ جب مقتدی ربنا لک الحمد کہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یعنی صغیرے معاف ہوتے ہیں، وہ بھی مشروط ہیں کہ کبیرے کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ اس میں تمام فرائض کا ادا کرنا آجاتا ہے کیونکہ فریضہ کا ترک کرنا بالاتفاق کبیرہ ہے۔ پس ان حدیثوں سے یہ سمجھنا کہ ان سے گناہ پر دلیری پیدا ہوتی ہے، جہالت ہے۔

۷۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص دن رات میں بارہ رکعت پر ہمیشگی کرے، اس کے لئے جنت میں گھر بنتا ہے (مسلم) یعنی یہ عمل جنت میں گھر بننے کا سبب ہے اگر مانع نہ ہو۔

۸۔ اسی طرح جو جمعہ کے متعلق وارد ہوا ہے کہ دس دن کے گناہ کا کفارہ ہے، اس سے مراد صغیرے گناہ ہیں نہ کبیرے ——— ان الحسنات یذھبن السیات ——— (ھود) یعنی نیکیاں گناہوں کو لے جاتی ہیں۔

۹۔ جو شخص صبح و مغرب کی نماز کے بعد سات مرتبہ "اللھم اجرنی من النار" (یا اللہ مجھے آگ سے بچا) کہے وہ جنت میں جائے گا۔ اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر مانع نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے، ادعونی استجب لکم (مومن) مجھے پکارو میں تمہاری بات پوری کروں گا ——— اجیب دعوۃ الداع اذا دعان (البقرۃ) ——— میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، یعنی اگر مانع نہ ہو اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا!

۱۰ - اسی طرح جس حدیث میں یہ وارد ہے کہ ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے وہ جنت میں جائیگا اگر مانع نہ ہو، اور اس کے گناہ معاف ہوں گے یعنی صغیرے اگر کبیرے کا ارتکاب نہ کرے۔ سورۂ نساء میں ہے، اگر کبیرے نہ کروگے تو صغیرے معاف کردیئے جائیں گے۔

۱۱ - ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمدللہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں یعنی صغیرے!

۱۲ - ۲۰۰۰ بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے پچاس سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں (ترمذی)

یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں حاتم بن میمون ہے قال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بہ کہ اس کے ساتھ سند پکڑنی جائز نہیں (میزان) اور یہ حدیث صرف اسی سے مروی ہے جیسا کہ ذہبی نے حوالہ دیا ہے۔ امام ترمذی اس حدیث کو معرفت کے لئے لائے ہیں نہ احتجاج کے لئے۔ اسی طرح وہ حدیث ہے جس میں یہ ذکر ہے جو سو دفعہ سورہ اخلاص سوتے وقت پڑھے، قیامت کے دن اسکو حکم ہوگا، دائیں طرف جنت میں چلے جاؤ۔ اس کی سند اور پہلی حدیث کی سند ایک ہی ہے۔ امام ترمذی نے اس سند کے متعلق کہا ہے کہ غریب ہے یعنی اس کی یہی ایک سند ہے۔ اور سند میں حاتم بن میمون کے متعلق بیان ہو چکا ہے اس کی حدیث قابل سند نہیں ہوتی۔

ثم ان کون الحج یکفر الکبائر خلاف الاجماع کما صرح بہ التورپشتی والقاضی عیاض والنووی وغیرھم من الاکابر بان الحج لا یکفر الکبائر الا التوبۃ (موضوعات کبیر ملا علی قاری ص ۸۵)

حج کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کبائر کے لئے بھی کفارہ ہے، اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ تورپشتی اور قاضی عیاض اور نووی وغیرہ بڑے بڑے علماء نے تصریح کی ہے کہ کبائر صرف توبہ سے ہی دور ہوتے ہیں۔ بس اس قسم کی تمام روایات اگر صحیح ہوں تو یہی معنیٰ لینا چاہیئے کہ ان سے صغیرے معاف ہوتے ہیں۔

۱۳ - جو شخص سو بار صبح کے وقت تسبیح پڑھے اور سو بار شام کے وقت اس کو سو حج کا ثواب ملیگا اور جو الحمدللہ سو سو بار صبح و شام کہے گا اس کو فی سبیل اللہ سو گھوڑے دینے کا ثواب ملیگا۔ جو لا الٰہ الا اللہ سو سو بار صبح و شام کہے گا اس کو وُلد اسمٰعیل سے سو غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، جو اللہ اکبر صبح و شام کہے گا اس کے برابر کوئی نہیں ہوگا مگر جو یہ عمل کرے یا اس سے زیادہ! (ترمذی) ....

.... اس کی سند میں ضحاک بن حمزہ ہے۔ میزان میں ہے، نسائی نے کہا ہے "لیس بثقۃ" یہ

ثقہ نہیں ۔ امام بخاری نے لکھا منکر الحدیث ہے ، مجہول ہے ۔ اس حدیث کو حسن کہنا صحیح نہیں ۔ (منہاج ۱ ، میزان) تقریب میں لکھا ہے ، ضعیف ہے ۔

پھر ثواب کی نوعیت مختلف ہوتی ہے ۔ ایک کام کا اثر معاشرت ، سیاست ، اخلاق وغیرہ پر مختلف پڑتا ہے ۔ مثلاً نماز کا اثر اخلاق ، اور دل کی صفائی پر تو اچھا پڑتا ہے مگر سیاست اور معاشرت پر کمزور ہوتا ہے ۔ اس طرح عدل کرنے کا اثر معاشرت و اخلاق پر اچھا پڑتا ہے مگر دل کی صفائی پر کم ہوتا ہے ۔ گناہوں سے پرہیز کا اثر دل کو گندگی سے محفوظ رکھتا ہے اور نیکی دل کو روشن کرتی ہے ۔ روزے سے صبر کی عادت پڑتی ہے ۔ خرچ کرنے سے بخل کی عادت سے رہائی ہوتی ہے ۔ ملنے جلنے ، سلام وکلام اور تحفے تحائف سے الفت بڑھتی ہے ۔ بعض چیزوں کا اثر ایک شعبہ میں زیادہ ہوتا ہے اور دوسرے شعبہ میں کم ۔ پس حج کا اثر اظہار شعائر اسلام میں زیادہ ہوتا ہے مگر دل کی صفائی میں کم ۔ اسی طرح جہاد اور جہاد میں مالی امداد سے اعلاء کلمۃ اللہ میں اثر اچھا پڑتا ہے مگر انابت الی اللہ میں کم پڑتا ہے ۔ اسی طرح غلام آزاد کرنے کا اثر معاشرت میں اچھا ہوتا ہے مگر توجہ الی اللہ میں کم ۔ بلا شبہ اثر ان اعمال کا اپنی اپنی جگہ زیادہ ہے ۔ ذکر اللہ کے ثواب کو جو ان چیزوں کے ثواب سے تشبیہ دی گئی ہے ، اس جگہ ان چیزوں کے ثواب سے وہ ثواب مراد ہے جو ذکر اللہ کے مخصوص اثر (توجہ الی اللہ ، انابت الی تنویر قلب) کی شکل میں ہوتا ہے ۔ نہ وہ ثواب جو ان کے مخصوص اثر سے ملتا ہے ——— الافضلیۃ تختلف بالاعتبار ولا افضل من الذکر باعتبار تطلع النفس الی الجبروت ——— (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۱۵)

افضلیت مختلف اعتبارات سے مختلف ہو جاتی ہے . . . عالم جبروت (صفات اور تجلیات الٰہیہ) کی اطلاع کیلئے ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ۔

شہادت

جو شخص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑنے اور مارا جائے وہ شہید ہے ۔ حدیث میں ہے :

" لا مثل القتل فی سبیل اللہ "

کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے کے برابر کوئی موت نہیں ۔

مگر بعض بعض موتوں کو قتل فی سبیل اللہ سے تشبیہ دے کر ان کے ساتھ مرنے والوں کو شہید کہا گیا ہے ۔ مگر ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حقیقت میں شہید فی سبیل اللہ ہے ،

کیونکہ قتیل فی سبیل اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو شہید کہا گیا ہے، ان کے احکام مبتدیوں کے سے ہیں یعنی شہید کو غسل نہیں دیا جاتا۔ مگر ان کو غسل دیا جاتا ہے۔ اسی طرح شہید کے جنازہ میں ائمہ کا اختلاف ہے مگر ان کے جنازہ میں اختلاف نہیں۔ سب ائمہ متفق ہیں کہ ان کا جنازہ پڑھا جائے اخروی احکام میں بھی صرف ان کو بعض امور میں تشبیہ دی گئی ہے نہ ہر وجہ سے وہ شہیدوں کے ہم پلہ ہیں۔ مندرجہ ذیل روایات میں جو شہید کا لفظ شہید فی سبیل اللہ کے سوا استعمال ہوا ہے ان کا مطلب یہی ہے۔

پھر ان تمام مقامات میں یہ قید معتبر ہے کہ اگر مانع نہ ہو تو اس وقت یہ شہید ہے۔ پھر شہید اور مقتول فی سبیل اللہ میں فرق ہے۔ پہلا لفظ عام ہے اور لفظِ دیگر خاص ہے۔ ایک معنی سے قرآن نے ساری امتِ مسلمہ کو شہید قرار دیا ہے:

"والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون والشھداء عند ربھم لھم اجرھم ونورھم" (حدید)

جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، یہی لوگ صدیق اور شہید ہیں اپنے رب کے ہاں ان کے لئے اجر اور نور ہے ——— اگر حدیث نے بھی شہید کہہ دیا تو اس میں کیا اضافہ ہوا ———؟

بلکہ قرآن مجید نے تو تمام فرمانبرداروں کو نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ملا دیا ہے (سورۂ نساء) اس میں یہاں تشبیہ گناہوں کے کفارہ بننے اور قابل رحم ہونے میں ہے:

"المصیبۃ الشدیدۃ التی لیست بصنعۃ العبد تعمل عمل الشھادۃ فی تکفیر الذنوب وکونہ مرحوما" (حجۃ اللہ البالغۃ ص۲۵، ج۲)

کہ سخت مصیبت جس میں بندے کا اختیار نہ ہو، گناہوں کے کفارہ بننے اور قابل رحم ہونے میں شہادت کا کام دیتی ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے:

"صابروں کو خوش خبری دو، جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف جانے والے ہیں) ایسے لوگوں کے لئے ان کے رب کی طرف سے بخششیں ہیں اور رحمت" (البقرۃ)

"وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر" (شوریٰ)

تم کو جو مصیبت پہنچے، تمہارے کئے کا بدلہ ہے اور بہت گناہ اللہ معاف کر دیتا ہے۔

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت بھی کفارے کا کام کرتی ہے اور نیت سے بھی ثواب ملتا ہے:

ومن یخرج من بیتہ مہاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ وکان اللہ غفورا رحیما" (نساء)

کہ جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لئے نکلے، پھر مر جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا، اللہ بخشنے والا ہے مہربان۔

اب وہ حدیثیں سنیے جن میں بعض موتوں کو شہادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ جو جہاد میں مر گیا وہ بھی شہید ہے۔ جو طاعون سے مر گیا وہ بھی شہید ہے۔ جو اسہال سے مر گیا وہ شہید اور جو ڈوب کر مر گیا وہ بھی شہید ہے، جو آگ میں جل کر مر گیا وہ بھی شہید، جو ذات الجنب کے ساتھ مر گیا وہ شہید اور جو عورت وضع حمل سے مر جائے وہ بھی شہید ہے (ابوداؤد۔ نسائی)

(۲) شہید کے لئے اللہ کے ہاں چھ خصلتیں ہیں۔ جب اس کا خون گرتا ہے، اسی وقت اس کو معافی مل جاتی ہے اور جنت میں جو اس کا مکان ہے وہ اس کو دکھا دیا جاتا ہے اور قبر کے عذاب سے پناہ دیا جاتا ہے اور بڑی گھبراہٹ سے (قیامت کے دن کی) امن میں رہتا ہے۔ اسکے سر پر وقار کا تاج رکھا جائیگا جس کا ایک موتی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور بہتّر حوروں سے بیاہا جائے گا اور ستر اقارب کے حق میں اس کی شفاعت قبول ہو گی (ترمذی) اس کی سند میں بقیہ ہے جو متکلم فیہ ہے۔

یہ روایت شہید فی سبیل اللہ کے بارے میں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں خون گرنے کا ذکر ہے۔ قرآن مجید میں بھی شہید کے متعلق بہت کچھ وارد ہوا ہے۔ یہ کہ اللہ کے پاس وہ زندہ ہیں، ان کو کھانے کے لئے رزق ملتا ہے۔ اللہ کے دیئے پر وہ خوش ہیں اور اپنے پچھلے اقرباء کے متعلق خوش ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ڈر اور غم سے نجات پائیں گے۔ (سورہ آل عمران)

شفاعت کی حقیقت

یہ ہے کہ کسی گناہ گار سے کوئی گناہ سرزد ہو جس کی سزا لمبی ہو مگر اس سے کوئی ایسی نیکی بھی ہوئی ہو جس کی وجہ سے اس کی سزا میں تخفیف ہو جائے۔ اگر اس طرف دیکھا جائے کہ یہ نیکی اس کی کوشش ہے تو اس صورت میں یہ اس کی کوشش کا نتیجہ ہے، اگر گناہ کی لمبی میعاد میں تخفیف کو دیکھا جائے تو یہ گویا دوسرے عمل کی سفارش ہے۔ سنت کی اتباع کی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی صورت میں ہوگی۔ بچے کے مرنے کی مصیبت پر صبر کرنا بچے کی شفاعت کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔ قرآن اور رمضان شفاعت کریں گے۔ اور اقرباء نے جو حسن سلوک کیا ہوگا ان کا یہ حسن سلوک دوسرے قریبی کی شفاعت کی شکل میں نمودار ہوگا۔

(۳) ایک آدمی مدینہ میں مر گیا۔ جو وہیں پیدا ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھا اور فرمایا کہ "اپنی پیدائش کی جگہ نہ مرتا" ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے آپ نے یہ فرمایا جواب ملا جب کوئی مرد اپنی پیدائش کی جگہ کے سوا مرتا ہے تو اس کی پیدائش کی جگہ سے لے کر مرنے کی جگہ تک جتنی زمین ہے اس کو اتنی ہی جگہ جنت میں ملتی ہے (ابن ماجہ)

مگر اس کی سند میں حیی بن عبداللہ المعافری ہے میزان میں ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس میں نظر ہے (یعنی ضعیف ہے) امام احمد کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں منکر ہیں نیز اس کی سند میں حرملہ بن یحیی ہے۔ اس کے اکثر مرویات جن میں یہ متفرد ہے غریب ہیں، ابو حاتم کے لیے یہ قابل احتجاج ہیں عبداللہ بن محمد کہتے ہیں کہ ضعیف ہے، بعض نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے۔ اس حدیث کی وجہ بھی یہی ہے کہ مصیبت کفارہ ہوتی ہے۔ اور سفر کی موت بھی ایک قسم کی مصیبت ہے مگر ان تمام مقامات میں دو قیدیں ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ بالغ نہ ہو۔ دوسری کہ وہ مسلمان ہو۔ یعنی مومن ہو۔ پس یہ اعتراض بھی لغو ٹھہرا کہ حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اسی امر سے نجات حاصل ہوتی ہے، کیونکہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ پہلی اور دوسری قید ملحوظ ہوتی ہے۔

مضمون نگار حضرات اپنا مضمون خوشخط کر کے لکھیں اور حوالے صحیح طور پر نقل فرمائیے۔ شکریہ　　　(ادارہ)